www.rahimia.org


شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

# ماہنامہ رحیمیہ لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
قدس اللّٰہُ سِرَّہُ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

اکتوبر 2016ء / محرم الحرام 1438ھ جلد نمبر 8، شمارہ نمبر 10 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے - تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے


## ارشادِ گرامی

### حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا کہ:

''منافرت کی پالیسی ہندوستان میں نہایت ہی عاقبت نااندیشی اور بے وقوفی کی پالیسی ہے۔ جس سے مسلمانوں کا ہی زیادہ نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ ایسے منافرت کے ماحول سے متأثر ہوکر آریہ سماجی تحریک ہندوؤں میں زیادہ قابل قبول ہوجاتی ہے۔ ارتداد کے لیے زیادہ تدابیر اختیار کرنے کے امکان پیدا ہوجاتے ہیں۔ مسلمان بولتے اور شور زیادہ مچاتے ہیں اور کام کم کرتے ہیں۔''

(مجلس: ۲۷؍ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ/ 22؍ نومبر 1946ء، بروز: جمعہ۔ مقام: نظام الدین، دہلی)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص:224۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

## فہرست مضامین


- مسلمانوں کی مذہبی رواداری
- کفر کے فتوؤں سے گریز
- سچی اور مخلص قیادت کی ضرورت
- انسانی روح کی حقیقت
- ارشادات حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
- معلم کی خصوصیات
- اسلامی جمہوریہ اور اسلامک بینک
- طیب اردگان کا دورہ سینٹ پیٹرز برگ
- مہینوں کی ترتیب میں تغیر وتبدل جائز نہیں
- امن والے مہینے محرم کا احترام
- فرقہ واریت، بدامنی اور انگریز سامراج
- مذہب لڑائی کا ذریعہ نہیں ہے
- پرہیز بیماری کا بہترین علاج ہے
- اپنی مملکت میں عدل وحریت کی اشاعت پر خلیفہ منصور کی مسرت
- حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ
- دینی مسائل



ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور



رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org


رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔


رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

www.rahimia.org

# درسِ قرآن

تفسیر: امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ

## مسلمانوں کی مذہبی رواداری

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (117:3)

(جو کچھ خرچ کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں، اس کی مثال جیسے ایک ہوا، کہ اس میں ہو پالا، جا لگی کھیتی کو اس قوم کی کہ انھوں نے اپنے حق میں بُرا کیا تھا۔ پھر اس کو نابود کر گئی، اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔)

**مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ**: یعنی ان کا خرچ اپنی دولت بڑھانے کے لیے ہے اور مساکین پر ظلم کر کے مال جمع کرتے ہیں۔ اگر درحقیقت دیکھا جائے تو یہ ظالم اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ جب انقلاب آجائے گا تو مظلوم جماعت ان کو تباہ کر دے گی۔ انقلاباتِ اقوام ان ظالم جماعتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جب ظلم برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہتی تو مظلوم جماعت اُٹھ کر انقلاب کر دیتی ہے۔ جب تک قوم میں عدل و مساوات اور رواداری مضبوط پایہ پر ہوتی ہے تو اس قوم کی حکومت قائم رہتی ہے۔ مسلمانوں نے اپنے عہدِ عروج (وترقی) میں برابر عدل وانصاف قائم کیا اور رواداری پر عمل کرتے رہے۔

سترہویں صدی عیسوی میں یورپ میں رومی کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عقیدوں کے گروہوں کے درمیان اختلاف کے باعث سخت گشت وخون ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ سلطنت کے حکم کے مخالف عقیدہ رکھنے والے لوگوں کے بچوں کو زندہ جلا دینے کے واقعات بھی پیش آتے رہتے تھے۔ اس کے برخلاف ہندوستان کے مختلف عقیدہ رکھنے والوں کو جب کپتان ہیملٹن نے پُرامن زندگی بسر کرتے دیکھا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے سندھ کے قدیم شہر ٹھٹھہ کی نسبت لکھا ہے کہ: ''یہاں کا مسلمہ مذہب اسلام ہے، لیکن ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے۔ وہ اپنے برت (روزے) رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانے میں مناتے تھے۔ جب کہ بادشاہت خود ہندوؤں کی تھی۔''

ڈاکٹر ٹیلر ڈھاکہ کے متعلق اٹھارہویں صدی کے آغاز میں لکھتا ہے کہ: ''ہندو مسلمان آپس میں باامن رہتے تھے اور ان میں اکثر آبادی ایک حقہ استعمال کرتے ہیں اور دونوں قوموں میں مذہبی بنا پر کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔'' مسٹر والٹر ہیملٹن نے بھی اس پُرامن حالت کا ہندوستان میں ذکر کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ: ''اگرچہ مسلمانوں نے کئی صدیوں سے یہاں حکومت کی، مگر انھوں نے ہندوؤں کے رسم ورواج یا ان کے مذہبی عقائد میں کسی طرح تبدیلی نہیں کی، بلکہ مسلمان ان کے بزرگوں کا ادب کرتے تھے۔ دونوں مذاہب کے پیرو آپس میں نہایت پُرامن طریقے سے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کرتے ہیں۔''

(ملخص از تفسیر المقام المحمود، ص: 06-505)

# درسِ حدیث

تشریح: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

## کفر کے فتوؤں سے گریز

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول ﷺ: ''أَيُّمَا رَجُل قَالَ لِأَخِيهِ كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا.'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر 6092)

(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس آدمی نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو اُن دونوں میں سے ایک کافر ہے۔'')

اس حدیثِ مبارکہ میں مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانے سے گریز کریں۔ جب کوئی کسی کو کافر کہتا ہے تو دوسرا اگر کافر ہے تو ٹھیک، ورنہ الزام لگانے والا کافر ہو جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص واقعتاً کافر ہے تو کافر کافر کی پکار کا کیا فائدہ ہوگا؟ ہم ایمان کی دعوت دینے کے ذمہ دار تو ہیں، کفر کے طعنے دینے کے نہیں۔ بالفرض دوسرے میں اگر کفریہ رُجحانات پائے جاتے ہیں تو اسے راہِ راست پر لانے کا معقول طریقہ یہ ہے کہ داعیانہ اوصاف اور شفقت آمیز رویے کے ساتھ باطل کو ثابت اور حق کو واضح کیا جائے۔ اور پھر قبول واسترداد کا حق دوسرے کو دے دیا جائے۔ زبردستی کفر کا الزام دھرنا خطرناک ہے۔ بعض احادیث اس اَمر کی اطلاح دیتی ہیں کہ روزِ محشر بہت سے ایسے لوگوں کو اللہ جہنم سے نکالیں گے، جن کے ایمان پر اللہ کے علاوہ کوئی مطلع نہ تھا۔

تاریخی شہادت یہ ہے کہ کفر کے فتوؤں کی بوچھاڑ کے پسِ پردہ عموماً علمی کم مائیگی کے ساتھ شخصی وگروہی مفادات کارفرما رہے ہیں۔ غالباً اسی تاریخی حقیقت کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے اس رویّے کو ناپسند فرمایا۔ ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ: ''مسلمان کو گالی دینا فسق اور گناہ کا کام ہے۔'' گالی سے دوسرے انسان کا شرف، سماجی رُتبہ اور مذہبی مقام متاثر ہوتا ہے۔ دوسرے پر کفر کا الزام لگانے سے یہ تمام نتائج جنم لیتے ہیں۔ گویا کفر کا الزام ایک مؤمن کے لیے بہت بڑی گالی ہے اور بلاوجہ اس کا ارتکاب کرنے والا فاسق ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر کافر کافر کی رَٹ لگانا دینی رویہ نہیں ہے۔ اس حدیث میں سمجھایا گیا ہے کہ اس طرح کے نازک اُمور میں دوسرے کے لیے سخت الفاظ استعمال کرنے والا دراصل وہ الفاظ خود اپنے لیے استعمال کر رہا ہوتا ہے۔ یوں نتیجے کے لحاظ سے یہ طرزِ عمل بہت نقصان دِہ اور خوف ناک ہے۔

ایک عرصے سے مغربی بلاک مسلمانوں کے مابین مذہبی جھگڑوں کو اپنے ناجائز سیاسی اور معاشی مفادات کے حصول کے لیے ہوا دیتا ہے۔ کئی مغربی رہنماؤں اور مفکرین کے یہ اعترافات ریکارڈ پر موجود ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان مسلکی نزاعات کو فروغ دینا مغربی مفادات کے لیے ناگزیر ہے۔ دنیا پر انگریز کے غلبے کے بعد تیسری دنیا کہلانے والے علاقوں میں باہمی نفرت کی یہ آگ جلائی جاتی ہے۔ اس کا شکار مسلم ممالک ہوتے ہیں اور مالی فوائد امریکا اور مغربی یورپ سمیٹتا ہے۔ جب کہ یہ رویہ دُنیوی نقصانات کے ساتھ مؤمن کے اپنے ایمان کے تحفظ کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔

www.rahimia.org

# اداریہ

## سچی اور مخلص قیادت کی ضرورت

قوموں کے عروج اور ترقی کی داستاں ازل ہی سے ایک سچے نظریے اور مخلص جماعت کے وجود سے جڑی ہوئی ہے۔ اگر کسی قوم کو یہ دونوں چیزیں بہ یک وقت میسر نہ آسکیں تو اس کا مقدر نہ بدل سکا۔ خوش قسمت ہیں وہ قومیں جنھیں درست نظریہ اور جاں نثار جماعت نصیب ہوئی تو انھوں نے اقوامِ عالم میں باوقار زندگی جینا سیکھ لیا۔ اس قوم کی حرماں نصیبی کا کیا شمار جو آج تک جماعت اور نظریے کے درمیان جوہری رشتے کو ہی نہ سمجھ سکی ہو۔ کبھی تو اس نے درست نظریے کو پہچاننے ہی میں ٹھوکر کھائی اور کبھی اس سے دردمند اور مخلص قیادت کی پہچان نہ ہوسکی۔ استعمار نے اپنے غلبے کے دور میں اس روایت کا چلن عام کیا کہ اپنے مفادات کے حصول کے لیے جھوٹے سچے نظریے گھڑ کر پھیلائے اور قوم وملت کی ہمدردیاں لے کر اُن کے حقوق کے تحفظ کے لیے نام نہاد جماعتیں کھڑی کردیں اور اُن کے ذریعے اپنے دورِ غلامی کو طول دیا۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمیں آزادی کے بعد قومی اور جمہوری سوچ پر مبنی کوئی مخلص جماعت میسر نہ آسکی، بلکہ سرمایہ داروں، جاگیرداروں کے گرد جمع کراؤڈ (Crowd) اور انبوہ کو ہی جماعت سمجھ لیا گیا۔ اور یہ ایسی جماعتیں اور مجمعے تھے کہ مقتدر حلقے حسبِ خواہش ان میں ترمیم واضافہ کرتے رہے۔ اور مفاد پرست عناصر بھی اپنے اپنے مفاد کے لیے پارٹیاں بدلنے کے روایتی حربے استعمال کرتے رہے۔ جس کے نتیجے میں قومی اور جمہوری پارٹی کی تشکیل اور ترویج کی کوئی روایت پروان نہ چڑھ سکی۔ اور سامراج کو مختلف جماعتوں میں من پسند افراد داخل کرکے اپنے مفادات کے تحفظ کا نسخہ اکسیر مل گیا۔ بقول حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ: ''آج کے دور میں سامراج پارٹیوں کو ختم کرنے کی بجائے اُن میں اپنے افراد داخل کرکے جماعتوں کے رُخ کو بدل دیتا ہے۔''

ہماری نوجوان نسل نے تو اپنے ملک کی ایسی فضا میں آنکھ کھولی ہے، جہاں اسے تیار اور ڈبہ بند جماعتیں ہی ملیں، جن پر گارنٹی بھی درج ہوتی تھی، لیکن ایکسپائری ڈیٹ درج نہ تھی اور اچانک کسی وقت قوم کو ایک اور پیکٹ پیش کردیا گیا اور قوم نے بھی اس بچے کی طرح جو پُرانے کھلونوں سے اُکتا گیا ہو، جھٹ سے نیا پیکٹ چھیننے کے انداز میں جھپٹ لیا اور کھولا تو ایک نئی کھلونا جماعت کو برآمد ہوتے پایا اور بس پھر اس سے کھیلنا شروع کردیا۔ ایسے کھیلتے کھیلتے 69 سال گزر گئے۔ ''نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم'' کا سا معاملہ ہے۔

سامراج کے زیر اثر مقتدر طبقات اور ملکی نظم ونسق چلانے والے اہلِ بندوبست بھی کتنے ہوشیار ہیں کہ 2020ء تک، قیامِ پاکستان کے بعد مسلم لیگ کے بطن سے جنم لینے والی بیش تر سیاسی جماعتیں عوام کے سامنے ناکارہ اور فرسودہ ہوکر غیر مقبول ہوتی نظر آئیں اور ان کی شخصی قیادتیں عمر کے آخری راؤنڈ میں پہنچتی دکھائی دیں تو اُس سے پہلے پہلے تازہ دم سیاسی قوتوں کا بندوبست کرلیا گیا۔ اور غیبی آوازیں پُرانی جماعتوں میں موجود نوجوان عنصر کو نئے پڑاؤ کی طرف کوچ کرنے کو کہنے لگیں۔

یہی حکمتِ عملی ماضی میں بھی مسلم لیگ کے بطن سے نئی اور تازہ دم قوتیں کشید کرتے وقت اختیار کی گئی تھی۔ آج بھی 70 کی دہائی کے اخبارات کی فائلز گواہ ہیں کہ کس طرح مصلوب وزیراعظم کی پارٹی کو پذیرائی دلوائی گئی تھی اور راتوں رات سینکڑوں تیار یونٹ نئے قائد کا والہانہ استقبال کرتے تھے اور نئے دفاتر پر نئی پارٹی کے لہراتے پھریرے کیسا سماں باندھے ہوئے تھے۔ اور مارشل لا کے بھاری پتھر تلے دبی قوم پتھر کے نیچے سے نکلتی ہوئی کیسے کیسے سہانے خواب بُن رہی تھی اور دمادم مست قلندر کے نعرے لگا رہی تھی، لیکن ان خوابوں اور نعروں کی تعبیر ایک بدترین سیاہ مارشل لا پر منتج ہوئی تھی۔

بقول امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ: ''جب کبھی بھی عوام نے شعور کی آنکھ کھولی تو پھر سے اسے خواب آور گولیوں کے ذریعے سلا دیا گیا۔''

ہمارے ہاں ماضی میں جاگیرداروں، سرمایہ داروں، صنعت کاروں، مذہبی تشخص کی حامل شخصیات اور فوجی وسول بیوروکریسی کے مکسچر سے سیاسی قیادتوں اور قوتوں کے ڈھانچے تیار کیے جاتے رہے ہیں، لیکن اب عوامی بے چینی پر قابو پانے کے لیے مڈل کلاس کو اس ''مجموعے'' کا حصہ بنایا جائے گا۔ اسی لیے اب عوام کو اس ''پاک سرزمین'' پر ''قصاص''، ''احتساب'' اور ''انصاف'' کے نعرے بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ کل تک اسی ''پاک سرزمین'' پر ریاست اور قوم کے علی الرغم ایک فرد کی متشددانہ پالیسیوں کو جواز فراہم کرکے پاکستان کی معاشی شہ رگ کو انسانی ''قصاب خانہ'' بنائے رکھا اور فردِ واحد سے ''اختلاف'' کو ''غداری'' قرار دیا جاتا تھا۔ پرانے ''جرائم'' کے نشان مٹا کر نئے ''جرائم'' کی بساط بچھانے والوں سے اللہ تعالیٰ ''پاک سرزمین'' پاکستان کو محفوظ اور قوم کو کرپٹ قیادت کے ہاتھوں قسطوں میں تقسیم سزا سے بچائے۔ کیوں کہ سوائے نعروں کے قوم پر مسلط ''کلاسیکل نیم جاگیردارانہ وسرمایہ دارانہ نظام'' سے نجات کا کوئی ویژن ان کے پاس نہیں ہے۔ ہمارے ملک کی حکمران جماعتوں سمیت سیاسی جماعتیں وہ ''اصطبل'' ہیں جو پُرانے نظام کے ''ٹانگے'' کو بہ خوبی چلانے کے لیے نئے اور تازہ دم گھوڑے فراہم کرتی ہیں۔ پارٹی کے اندر سے نئی پارٹی کے جنم لینے کی روایت ''برائی برائی کو جنم دیتی ہے'' کے محاورے کا عملی مصداق ہے۔

اب کے کم از کم ہماری نوجوان نسل کو تو یہ سوچنا ہوگا کہ وہ کئی دہائیوں سے ملک اور خطے میں نادیدہ بندوبست کے زیرسایہ اپنے اجتماعی فیصلے ہوتے دیکھتے رہیں گے یا قومی و ملّی سوچ کے تحت اب اپنے شعوری سفر کا آغاز کریں گے۔ سنجیدہ اور شعوری حلقوں کو ملک میں جاری اتھل پتھل سے متاثر ہونے کے بجائے اپنے اصل کام پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے اور موجودہ حکومتی، اپوزیشن اور دیگر نام نہاد سیاسی قوتوں سے کسی بھی بڑی سیاسی، سماجی تبدیلی کی سنجیدہ توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ (مدیر)

www.rahimia.org



# انسانی روح کی حقیقت

مترجم: مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری

{حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ برعظیم پاک و ہند کی عظیم ترین شخصیت ہیں۔ انھوں نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں انقلابی افکار اور تعلیمات انسانیت کے سامنے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں بلند پایہ افکارِ عالیہ قلم بند کیے۔ یوں دوسرے ہجری ہزارے میں دین حق کی سچی تعلیمات پر مبنی اللہ کی حجت و برہان کو بڑے واضح دلائل کے ساتھ بیان فرمایا۔ اُن کے بیان فرمودہ افکارِ عالیہ آج بھی اپنے اندر تازگی رکھتے ہیں۔ یہ افکارِ عالیہ نئی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ نیز شریعت و طریقت کی رہنمائی پر مبنی جامع تعلیمات ہیں۔ مترجم}

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجۃ اللّٰہ البالغہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''ارشادِ ربانی ہے: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (85:17) (یہودی آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ روح میرے ربّ کا امر ہے۔ اور تمھیں اس کے بارے میں بہت کم علم دیا گیا ہے۔) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے امام اعمشؒ کی قرأت یہ ہے: ''وَ مَا اُوْتُوْا مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا'' (یہودیوں کو روح کا علم بہت کم دیا گیا ہے۔) اس سے معلوم ہوا کہ روح کے بارے میں کم علمی کی بات یہودیوں سے کہی جارہی ہے۔

یہ آیت اس بات پر قطعی نص نہیں ہے کہ اُمتِ محمدؐیہ میں سے کوئی آدمی بھی روح کی حقیقت نہیں جان سکتا، جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کرلیا ہے۔ یہ بات بھی ضروری نہیں کہ جس چیز کی حقیقت کے بارے میں شریعت خاموش ہو، اس کی حقیقت اور معرفت کسی طور پر حاصل کرنا ممکن نہ ہو۔ بلکہ بسا اوقات شریعت اُس چیز کی حقیقت کے بارے میں اس لیے خاموش رہتی ہے کہ اُس کی معرفت حاصل کرنا بہت ہی دقیق اور مشکل امر ہوتا ہے۔ اُمتِ محمدؐیہ کے اکثر لوگ اس کو پورے طور پر سمجھ نہیں سکتے، اگرچہ بعض لوگوں کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ اُس چیز کی حقیقت پوری طرح سمجھ جائیں۔

جاننا چاہیے کہ روح کے بارے میں (درجِ ذیل پہلو ہیں):

(1۔ جان دار کا مبدأ حیات) سب سے پہلی چیز روح کے بارے میں ہمارے علم میں یہ آتی ہے کہ وہ ہر جان دار کی زندگی کا مبدأ اور محور ہے۔ ہر جان دار کی زندگی روح کی وجہ سے ہے۔ وہ اُس کے جسم سے جدا ہوجائے تو جان دار مردہ ہوجاتا ہے۔

(2۔ روحِ ہوائی/نسمہ) پھر جب روح کی حقیقت کے بارے میں گہرائی میں جاکر مزید غور و فکر کریں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ انسانی بدن میں روح ایک ایسی لطیف ہوا (نسمہ) ہے، جو دل میں چار خِلطوں (سودا، صفرا، بلغم اور خون) کے خلاصے اور جوہر سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ہوا انسان کے احساسات، محرکات اور غذا کو ہضم کرنے والی تمام قوتوں کا منبع ہے۔ اَطبا اسی روح کے بارے میں طبی حکم لگاتے ہیں۔

تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ اس لطیف ہوا کی ساخت —— مثلاً اس کا عمدہ اور ہلکا ہونا، یا ناقص اور غلیظ ہونا، صاف شفاف ہونا یا گدلا ہونا وغیرہ —— کا انسانی جسم میں کام کرنے والی تمام قوتوں اور اُن قوتوں سے پیدا ہونے والے تمام افعال پر ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ اور یہ کہ انسانی عضو پر یا اس لطیف ہوا کی پیدائش کے نظام پر جب کوئی آفت طاری ہوتی ہے تو یہ روحِ ہوائی خراب ہوجاتی ہے اور انسانی جسم میں کام کرنے والے افعال میں سستی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لطیف ہوا کا پیدا ہونا زندگی ہے اور اس کی پیدائش کا سلسلہ رُک جانا موت ہے۔ پہلی نظر میں یہی روح دکھائی دیتی ہے، لیکن گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ اصل روح کا نچلا حصہ ہے۔ اس کی مثال انسانی بدن میں ایسی ہی ہے جیسے گلاب کے پھول میں عرقِ گلاب اور انگارے میں آگ۔

(3۔ روحِ حقیقی/ روحِ الٰہی) پھر روح کی حقیقت پر مزید گہری نظر ڈالی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ دراصل یہ روحِ ہوائی، روحِ حقیقی کی سواری ہے اور انسانی بدن کے ساتھ روحِ حقیقی کے تعلق کے لیے بہ طور مادہ کے ہے۔ وَجہ یہ ہے کہ جب ہم کسی بچے کو دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہوتا ہے، پھر بوڑھا ہوتا ہے تو اُس کے بدن کی خِلطیں (سودا، صفرا، بلغم اور خون) تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ اس طرح روحِ ہوائی؛ جو اِن خِلطوں سے پیدا ہوئی ہے، کوئی ہزار مرتبہ تبدیل ہوچکی ہوتی ہے۔ انسان کبھی چھوٹا تھا، پھر بڑا ہوا۔ کبھی کالا تھا، کبھی گورا۔ ایک وقت میں جاہل تھا، پھر عالم ہوا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح روحِ ہوائی کے یہ تمام اوصاف بدلتے رہے، جب کہ وہ شخص وہی کا وہی رہا....

پس وہ چیز جو اِن تمام تر تغیرات و تبدلات کے باوجود اپنی ذات میں ہر حال میں قائم ہے، وہ یہ روحِ ہوائی نہیں ہے اور نہ یہ بدن ہے اور نہ یہ تبدیل ہونے والے تشخصات ہیں، جن سے اس فرد کی پہچان ہوتی ہے اور جو ظاہری طور پر ہمیں نظر آرہے ہیں، بلکہ حقیقت میں **روح ایک ایسی ''مفرد حقیقت'' اور ''نورانی نقطہ'' کا نام ہے** کہ اس کے انداز و اطوار، روحِ ہوائی کے ذریعے تغیر پذیر ہونے والے انداز و اطوار سے عظیم اور بلندتر ہوتے ہیں۔ اس کے یہ انداز اور طور طریقے بعض جواہر ہوتے ہیں اور بعض اعراض ہیں۔ یہ روحِ حقیقی اپنی اصل حالت پر رہتی ہے، خواہ آدمی بچہ ہو یا بڑا، کالا ہو یا گورا، اس کے جسم پر بدلتے حالات کے باوجود یہ روحِ حقیقی وہی کی وہی رہتی ہے۔

اس روحِ حقیقی کا پہلے درجے میں خاص تعلق روحِ ہوائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوسرے درجے میں انسانی بدن کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس طور پر کہ بدن روحِ ہوائی اور نسمہ کی سواری ہوتا ہے۔ **یہ روحِ حقیقی دراصل عالم قدس کی جانب سے انسانی جسم میں ایک ایسا سوراخ ہے** کہ اس راستے سے روحِ ہوائی یا نسمہ پر وہ تمام حالات آتے ہیں جن کی اُس میں ارضی حوالے سے استعداد ہوتی ہے۔ انسانی بدن پر ہونے والے تمام تر تغیرات صرف ارضی قوتوں کی استعداد کے سبب سے ہوتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے سورج کی کرنیں زمین پر یکساں طور پر پڑ رہی ہے۔ اب سورج کی دھوپ کپڑے میں موجود استعداد کی وجہ سے اُس کو سفید کرتی ہے اور دھوبی کے جسم میں موجود استعداد کے سبب اُسے کالا کرتی ہے۔'' (بابُ حقیقۃِ الرُّوح)

www.rahimia.org

بصیرت افروز اقوال

# ارشادات

## حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ

مرتب: حافظ محمد شفیق، لاہور

(حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے درج ذیل ارشادات مکتوبات مطبوعہ سہ ماہی ''شعور و آگہی'' لاہور سے ماخوذ ہیں۔ مرتب)

o آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ بڑی بڑی خانقاہیں — جو کبھی سلاطین اور بادشاہوں کی اصلاح کا مرکز ہوتی تھیں — اُجڑی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ وہاں اجتماعی اصلاح کی کوئی عملی صورت نہیں ہے۔ ان میں اتحادِ فکر باقی نہیں رہا۔ جمعہ اور عیدین کے اجتماعات ہزاروں اور لاکھوں پر مشتمل ہوتے ہیں، لیکن دینی مرکزیت کے لحاظ سے ان کا فکر اپنے قائد (نماز کے امام) سے مختلف ہوتا ہے۔

o آج مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ انھیں ذرائع ابلاغ بہکا لے جاتے ہیں۔ مغرب کا پروپیگنڈا اُن کے ذہنوں کو سوچنے سے روک دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسجد میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ مسجد کے سچے خطیب کی دینی باتوں کو لائقِ توجہ نہیں سمجھتا، لیکن اخبارات پر بلا سوچے سمجھے ایمان لے آئے گا۔ حال آں کہ اخبارات کی اکثریت اپنی پالیسیاں فروخت کرتی ہے۔

o جب دین کی سیاست نہ رہے گی تو معاشرے پر ظالموں کا غلبہ ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں فساد ہوگا۔ مذہبی لوگ ان کی سیاست کے تابع ہو کر فیل ہو جائیں گے۔ جب تک دین کے تمام شعبوں (شریعت، طریقت اور سیاست) کے قیام کی جدوجہد کو نیکی نہ سمجھا جائے تو کامیابی نہیں ہو سکتی۔

o اگر انسان یہ سمجھے کہ میں ذاتی طور پر نیک بن جاؤں اور سیاست کیسی ہی غلط ہو تو یہ نیک نہیں بن سکتا۔ کیوں کہ معاشرے میں نیکی پھیلانے اور قائم رکھنے کے لیے بدخصلت لوگوں کو شکست دینا اور ظلم و کفر کے راستے سے ہٹا دینا بھی ضروری ہوتا ہے اور یہی کام انبیاؑ اور ان کی جماعت کرتی ہے۔

o آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ اعلیٰ علم؛ جو انسانیت کی ہدایت کا علم تھا، اَخلاق کا علم تھا، انسانیت سکھاتا تھا، وہ علم آج دنیا میں عملی زندگی میں موجود نہیں رہا۔ اس کا عملی معاشرہ نہیں رہا۔ اس وجہ سے انسانیت آج بداَخلاقی کا مظہر بن گئی۔ دنیا جہنم بن گئی۔ وہ جھوٹی ہے، متکبر ہے، لالچی ہے، بخیل ہے اور مفسد ہے۔

o یورپ نے کیسا ملا جلا معاشرہ بنا لیا ہے۔ نماز مسلمان کی اور سود امریکا کا۔ نماز مسلمان کی، قانون کفر کا۔ حج مسلمان کا، تہذیب و کلچر امریکا کا۔ جب پاکستان کے برقی ذرائع ابلاغ شیطانی ناچ اور گانے دکھائیں اور سنائیں گے، گھر گھر اس کی دعوت ہوگی اور معصوم بچے بے حیائی، بے پردگی، عیاشی اور نفسانیت کو ماں باپ کے ساتھ بیٹھ کر دیکھیں گے تو ان کو شیطان ہی سے محبت ہوگی۔ وہاں مسجد کی دینی دعوت کیا کرے گی، وہ تو خود مغلوب ہے۔

o معاشرہ اس وقت جہنم بن جاتا ہے، جب اس کی قیادت جھوٹے، ظالم، متکبر، دنیا پرست، خودغرض، مفاد پرست اور منافق لوگوں کے ہاتھ میں آ جائے، جو عوام پر ظلم کریں اور معاشرے میں جھوٹ، بددیانتی، دھوکہ دہی، سرمایہ پرستی اور بداَخلاقی کو رواج دیں تو معاشرہ خراب اور گمراہ ہو جاتا ہے۔

o نوجوانوں کو ملکی نظام جس طرح ڈھالے گا، وہ اس طرح ڈھل جائیں گے۔ اس کو وہی تہذیب اور کلچر اچھا لگے گا، جو نظام نے پیدا کیا ہے۔ وہ ناسمجھی سے اسلام اور علما کی مخالفت کرے گا تو آپس میں نفرت پیدا ہو جائے گی۔ سیاسی شعور نہ ہونے کی وجہ سے نظام کی طرف نظر نہیں جائے گی، جو کہ اس برائی کی جڑ ہے۔ گویا ہمارے ملک میں مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا نظام رائج ہے۔

o تمام انبیاؑ اور ان کے متبعین کا کام ظلم مٹانا، برے اَخلاق سے معاشرے کو پاک کرنا، انسانیت کا ماحول پیدا کرنا ہے۔ اسی کو جنت کا ماحول کہا جاتا ہے۔ جب دنیا میں جنت کا ماحول ہوگا تو یہ آخرت کی جنت کے مستحق ہوں گے۔ اور جب دنیا میں بداَخلاقیاں، خودغرضی، مفاد پرستی، سرمایہ پرستی، جاہ پرستی، اور برے اَخلاق کا ماحول ہوگا تو گویا یہ معاشرہ اللہ کی پیاری مخلوق کے لیے اس غلط نظام کی وجہ سے جہنم ہی ہوگا۔

o آج محدود نظریے اور تاریخ سے ناواقفیت کی وجہ سے ہمارے اداروں میں اعلیٰ نظریے اور اسلامی تاریخ کو بھلا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا نوجوان آج مایوسی کا شکار ہے۔ آج وہ مذہب کو ترقی کے راستے میں رُکاوٹ سمجھتا ہے۔ حال آں کہ مذہب کی ترقی گیارہ سو سال کے دَور سے ہے۔ آج تین سو سال سے مسلمان زوال پذیر ہے۔ اس دور کا مذہبی سیاسی رہنما ناکام ہوتا جا رہا ہے۔

o انسانیت کے حقوق ادا کرنا، عدل کا نظام قائم کرنا، سب کے معاشی مسئلے حل کرنا اور ان کی حفاظت کرنا، دینی جماعت کے ذمے ہے۔ آپ اپنی تاریخ کو پڑھیے کہ آپ محمد بن قاسمؒ سے لے کر عالم گیرؒ تک پھیلتے چلے گئے۔ نوے فی صد غیر مسلم آپ کے اخلاق سے متاثر ہوتا گیا اور اسلام بڑھتا چلا گیا۔

o دنیا میں جب قوموں پر عذاب آتا ہے، وہ برے اَخلاق کی وجہ سے آتا ہے۔ معاشرے کے اندر بددیانتی آ جائے، کسی معاشرے کے اندر بدمعاملگی آ جائے، تکبر آ جائے، کسی معاشرے میں بخل آ جائے، حقوق ٹوٹنے لگیں، حقوق کا نظام نہ رہے، تجارت میں بددیانتی ہو جائے، معاشرے میں رشوت عام ہو جائے اور طبقات بن جائیں تو خدا کا عمومی عذاب آ جاتا ہے۔

o یاد رکھیے! انبیا علیہم السلام کا کام مجمع لگانا نہیں ہے، جلسے جلوس نکالنا نہیں ہے۔ انبیاؑ کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کے نوجوانوں کی تربیت کرتے تھے اور انقلابی جماعت تیار کرتے تھے۔ وہ کثرت کی بھیڑ اکٹھی نہیں کرتے تھے۔

o یورپ تو یہی چاہتا ہے معاشرت، تہذیب و ثقافت، سیاسی و معاشی نظام اہل مغرب کا ہو، عبادات بے شک مسلمانوں کی رہیں، اس پر انھیں کوئی اعتراض نہیں۔

www.rahimia.org



# معلم کی خصوصیات

ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ، لاہور

(خانقاہِ رائے پور کے اوّلین صدر نشین حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے تعلیم و تربیت کے لیے مکاتیبِ قرآنیہ قائم فرمائے۔ جس کے لیے طلبا اور متعلّمین ہر دو کے لیے نصاب اور تربیتی پروگرام تشکیل دیا گیا۔ کم و بیش ایک صدی قبل اسی مقصد کے لیے حضرت رائے پوریؒ نے حضرت مولانا نور محمد لدھیانویؒ سے ''تعلیم المعلّمین'' کتاب تالیف کروائی، جو اکابرین کے تربیتی اسلوب کو واضح کرتی ہے۔ مندرجہ ذیل افادات اسی کتاب سے زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔)

مولانا لدھیانویؒ فرماتے ہیں: ''بچوں کی ابتدائی تعلیم یعنی قرآن مجید کے لیے اکثر کم علم اور ناتجربہ کار معلم مقرر کیے جاتے ہیں۔ کیوں کہ اس تعلیم کو آسان اور ادنیٰ کام سمجھا جاتا ہے،... حال آں کہ ابتدائی تعلیم کے لیے مہذب اور تجربہ کار اور بُردبار اور طرزِ تعلیم سے واقف و مستعد حافظِ قرآن معلم کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ ابتدائی تعلیم بہ منزلہ بنیاد کے ہے۔'' یہاں ایک معلم کے لیے چار اہم خصوصیات کی نشان دہی کی گئی ہے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ خود مہذب ہو۔ اس کے اَخلاق اور رویے اعلیٰ ہوں۔ کیوں کہ طلبا اپنے استاد کو آئیڈیل کا درجہ دیتے ہیں۔ وہ اپنے اساتذہ کے اَخلاق کو اپناتے ہیں اور اُن کی نقل کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ بُردبار ہو۔ طلبا کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے اور انھیں ایک بات بار بار دہرانے میں عار محسوس نہ کرتا ہو۔ کیوں کہ بچہ ہمیشہ اپنی غلطیوں سے سیکھتا اور آگے بڑھتا ہے۔ اس کو ایک ہی سبق بار بار دہرانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ تجربہ کار ہو۔ آج ہمارے پرائمری تعلیمی نظام کا المیہ یہ ہے کہ ناتجربہ کار اساتذہ بھرتی کیے جاتے ہیں۔ جس کو کوئی ملازمت نہیں ملتی، وہ ماسٹر لگ جاتا ہے اور پڑھانا شروع کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذہین ترین بچے ناتجربہ کار اساتذہ کی ناتجربہ کاری کا شکار ہو کر کند ذہن بن جاتے ہیں اور پھر اپنی کم علمی اور ناتجربہ کاری پر پردہ ڈالنے کے لیے سختی اور تشدد کا سہارا لیا جاتا ہے، جس سے بچے کی تمام شخصیت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ تعلیم سے بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ طرزِ تعلیم سے واقف ہو۔ بچے کے رُجحان کو سمجھے اور اس کے مطابق اس کو تعلیم دے، تاکہ وہ اپنی دلچسپی کو قائم رکھ سکے۔ طرزِ تعلیم (Teaching Methodology) کو آج ایک سائنس کا درجہ حاصل ہے۔ بعض لوگ خود تو بڑے ماہر ہوتے ہیں، لیکن اپنے فن کو منتقل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ جس کی وجہ سے طلبا ان کے علم سے مستفید نہیں ہو سکتے۔

آج ترقی یافتہ اَقوام ابتدائی تعلیم کے لیے انتہائی معیاری اور قابل اساتذہ کا تقرر کرتی ہیں، جو ان چاروں خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ استعداد، رُجحانات کے تعین اور طریقۂ تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے، جب کہ ہمارے نظامِ تعلیم میں اس پہلو سے خاصی کمی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہتر ذہنی استعداد کے باوجود ہمارے طلبا کا معیار مقابلتاً پست ہی رہتا ہے۔

# اسلامی جمہوریہ اور اسلامک بینک

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

اسٹیٹ بنک کی حالیہ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں اسلامک بینکنگ کے کاروبار میں 7.4 فی صد کا اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے اور پاکستان میں بینکنگ کے شعبے میں اب اسلامک بینکنگ کا حصہ 13.2 فی صد تک آ گیا ہے۔ گویا پاکستان میں کھاتہ داروں کے 111 کھرب میں 14.16 کھرب اسلامک بینکنگ سے متعلق ہیں۔ نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں اس شعبے کے حوالے سے ہونے والی حالیہ ترقی مثالی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس شعبے کا عالمی حجم 200 کھرب ڈالر کا ہے اور 2009ء کے بعد اس میں عام بینکنگ کی نسبت زیادہ تیزی سے ترقی ہوئی ہے۔ 1977ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے ہر قسم کے سود کو تو غیر شرعی قرار دے دیا اور پاکستان میں مروّجہ بینکنگ کے خلاف اقدامات کی سفارش کی۔ اسی تناظر میں حکومت کی سرپرستی میں چلنے والی کچھ منافع کی اسکیموں کو نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر جاری کر دیا گیا۔ اسلامی بینکنگ کے اس عمل کو چالیس سال ہو چلے ہیں اور آج یہ نظام کھربوں روپے کے اثاثوں پر مشتمل ہے۔ اس میں کئی بڑے بڑے کاروباری گروپس کام کر رہے ہیں اور سالانہ اربوں روپے کا منافع کما رہے ہیں۔ ان گروپوں کے مشاورتی بورڈز میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بڑے بڑے مذہبی سکالرز موجود ہیں، جو ایک مربوط و مضبوط نظام کے ذریعے شرعی تقاضوں کے مطابق جدید بینکنگ قوانین وضع کرنے میں مشغول ہیں۔ چناں چہ ہر بینک کی شریعہ ایڈوائزری کونسل اور بین الاقوامی سطح پر بیسیوں ادارے اس حوالے سے کام کر رہے ہیں۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اس نظام کا تجزیہ کیا جائے اور اندازہ لگایا جائے کہ شرعی احکامات کی روشنی میں قائم اس نظام نے عمومی صورتِ حال میں کیا تبدیلیاں متعارف کروائی ہیں۔ کیا اس نظام نے سرمایہ کاری کو فروغ دیا؟ اگر فروغ ہوا تو کیا وہ کسی خاص طبقے تک محدود رہا؟ سود کی لعنت کو کس حد تک ختم کیا؟ معیشت میں اجارہ داری کی صورتِ حال کیا ہے؟ کیا گھریلو صنعت نے اس سہولت کا فائدہ اُٹھایا؟ جواب یہ ہے کہ اس نظام کے متعارف ہونے کے بعد محدود طبقے نے فائدہ اُٹھایا اور اُن کی اجارہ داری اَور مستحکم ہوئی۔ چھوٹا کاروباری طبقہ مزید دباؤ میں آیا اور سود تو کیا ختم ہونا تھا، ہاں! کاغذی کارروائی میں اس کے استعمال کو حذف کر دیا گیا۔ حکمرانوں اور اجارہ داروں کے پاس اسلام کے نام پر لوٹ مار کا ایک اور ہتھکنڈا آ گیا۔ حال ہی میں حکومت نے اعلان کیا ہے کہ وہ 80 ارب روپے کے تین سالہ اسلامی صکوک بانڈ جاری کرے گی۔ یعنی 80 ارب روپے کا اسلامی قرض لیا جائے گا اور اسلامی قرض دینے والا کون ہوگا؟ وہ پاکستانی اسلامی بینک ہوں گے جو اپنے کھاتہ داروں سے اکٹھی کی ہوئی رقوم کے عوض یہ بانڈ حکومتِ پاکستان سے لیں گے۔ اور اس کے عوض اُن بینکوں اور کھاتہ داروں کو کیا ملے گا؟ یہاں حکومتِ پاکستان اسلامی بینکوں کو اس اسلامی قرض کے عوض 6.1 فی صد سالانہ سود ادا کرے گی۔ (بقیہ صفحہ 12 پر)

www.rahimia.org

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

# طیب اردگان کا دورہ سینٹ پیٹرز برگ

''یہ دن ہم انسانوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔''

دنیا کے حالات کتنی تیزی سے بدل رہے ہیں! ابھی نومبر 2015ء کی بات ہے کہ اسلامی ملک تُرکی نے ایک اسلامی ملک شام کی حفاظت کے لیے آئے ہوئے ایک غیر اسلامی ملک کے لڑاکا طیارہ SU-24 M (SUKHOI) کو دورانِ پرواز کسی کے ایما پر اپنے F-16 لڑاکا طیارے کے ذریعے 24/نومبر 2015ء کو مار گرایا۔ جس کے نتیجے میں جہاز اور اس کا عملہ ہلاک اور طیارہ تباہ ہوگیا۔ غیر اسلامی ملک جس کا طیارہ اور جہاز چلانے والا عملہ ہلاک ہوا تھا، اُس نے تُرکی کے خلاف اِقدام کرنے کی بجائے صرف اتنا تقاضا کیا کہ وہ یہ ظاہر کرے کہ اس نے کس کے کہنے پر اس جارحیت کا ارتکاب کیا ہے؟ اور دوسرا اگر اس نے یہ کام غلطی سے کیا ہے تو اپنے اس کیے پر روس سے معذرت کرے۔ جب کہ ترکی نے معذرت کرنے کی بجائے اُلٹا روس پر یہ الزام لگایا کہ اس کے لڑاکا طیاروں نے ترکی کی سرحد کی 2.19 کلومیٹر کے رینج میں 17 سیکنڈ میں 10 مرتبہ خلاف ورزی کی تھی۔ یورپین یونین کے کمشنر جناب گینتھر اوٹینگر (Guenther Oettinger) نے ایک انٹرویو میں کہا کہ: ''حالیہ واقعے کے بعد ترکی جو نیٹو کا ایک اہم اور مؤثر رُکن تھا، اب نہیں رہے گا۔ اگرچہ وہ اندرونِ ملک پہلے سے مضبوط ہوجائے گا، لیکن اقوامِ عالم میں وہ تنہا ہوجائے گا۔''

پھر ایک وقت یہ آتا ہے کہ وہی ترکی کا صدر جو روس سے معذرت کرنے پر انکار کررہا تھا، کچھ ہی عرصے بعد طیارہ مار گرانے پر روس سے معافی مانگتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی کے ساتھ شام میں روس کے ساتھ مل کر معاملات کو آگے بڑھانے کے عزم کا اظہار کرتا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ روس سے اپنے تعلقات درست کرنے کے لیے تُرکی اپنے وزیر اعظم کو بھی ہٹا کر دوسرا وزیر اعظم لانے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اس طرح واقعات آگے بڑھتے ہیں تو 21/ اگست 2016ء کی اشاعت میں ایرانی میڈیا کے حوالے سے ایک خبر جاری ہوئی کہ ''روسی انٹیلی جنس ایجنسی نے ترکی فوج کے انتہائی اعلیٰ سطح کے حساس مواصلاتی نظام کو بغاوت سے ٹھیک ایک گھنٹہ قبل متنبہ کیا تھا کہ طیب اردگان کی حکومت کے خلاف فوج کی طرف سے بغاوت ہونے والی ہے۔'' جسے FARS News نے جاری کیا تھا۔ اس خبر میں یہ بات بھی شامل تھی کہ فوجیوں کے لیے حکم تھا کہ طیب اردگان کو گرفتار یا قتل کیا جائے، جو کہ مارماریز میں چھٹیاں گزار رہے ہیں۔ سفارتی ذرائع کا کہنا تھا کہ ''چوں کہ بغاوت سے ایک ہفتہ قبل طیب اردگان کی حکومت کی خارجہ پالیسی میں تبدیلی کا رُجحان ظاہر ہوچکا تھا، جس کی وجہ سے کئی ممالک کی حکومتوں نے فوجی بغاوت کی حمایت کا وعدہ بھی کیا تھا۔'' ترکی حکومت کے ذرائع نے 19/جولائی کو اس خبر کی تصدیق بھی کردی تھی کہ ہمیں ایسی اطلاعات مل چکی تھیں۔ یورپ کی بعض حکومتوں کی طرف سے بار بار باغیوں کے لیے سخت سزاؤں میں تخفیف کے لیے کہا جارہا تھا۔

حالات میں کتنی تیزی سے تبدیلی آئی کہ 9/اگست 2016ء کو روسی صدر اپنے روسی دارالحکومت ماسکو میں خوش آمدید کہنے کی بجائے سینٹ پیٹرز برگ میں ترکی کا صدر روسی صدر کو ''ڈیئر فرینڈ'' کہہ کر پکار رہا ہے۔ برطانوی اخبار ''دی ٹیلی گراف'' نے 9/اگست کو ہی رپورٹ کردیا۔ روسی صدر کے ساتھ طیب اردگان کی یہ ملاقات تین گھنٹوں پر مشتمل تھی، جس میں گیس پائپ لائن کے علاوہ باہمی تعلقات اور مشرقِ وسطیٰ میں مل کر چلنے کا لائحۂ عمل کے علاوہ بشارالاسد کی حکومت کے بارے میں بھی تبادلہ خیال کیا گیا۔ اس واقعے کے بعد روس کا ترکی میں اپنی فوجوں کے قیام کا جواز فراہم ہوگیا۔ کیوں کہ اب ترکی کی مجبوری بن گئی کہ وہ روسی شہریوں کی حفاظت کے لیے اپنے ہاں روسی عسکری طاقت اُتارنے کے لیے درخواست کرے۔ سب تدبیریں اُلٹی ہوتی جارہی ہیں۔ بغاوت کا مقصد کچھ اَور تھا اور حالات کسی اَور کروٹ چل نکلے۔

ایک حلقے کا کہنا ہے کہ بغاوت کروانے والوں کے یہ پلان کا حصہ ہوسکتا تھا کہ ترکی کے صدر کو مخالف کیمپ میں اس طریقے سے داخل کیا جائے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سامراجی حلقوں کا مرکز اپنے معاشی مسائل میں اس قدر اُلجھا ہوا ہے کہ باوجود شام اور عراق کے تیل کے کنوؤں پر قبضہ کرکے وہاں کے تیل سے مالا مال ہونے کے اس کا معاشی بحران تھمانہیں ہے۔ دوسری طرف فوجی طاقت کا مرکز NATO کے رُکن ممالک اس اتحاد سے علاحدہ ہوتے جارہے ہیں۔ اب نیٹو کا اتحاد رخصت ہونے والا ہے۔ 7/جولائی 2016ء کی اشاعت میں ایک امریکی اخبار ''ساؤتھ فرنٹ'' نے چینی صدر ژی جن پنگ کے یکم/ جولائی، جو اس نے چین کی کمیونسٹ پارٹی کے 95 سالہ یومِ تاسیس کے موقع پر منعقدہ تقریبات کے موقع پر اپنے خطاب میں، روسی صدر ولادی میر پیوٹن کو کہا ہے کہ ہمیں نیٹو کے مقابلے میں ایک فوجی اتحاد بنانا چاہیے۔ اس نے کہا کہ دنیا تبدیلیوں کے ایک اہم ترین موڑ پر پہنچ چکی ہے۔ ایک سماج کی جگہ دوسرا سماج لے رہا ہے۔ یورپین یونین آہستہ آہستہ اپنا وجود کھو رہی ہے۔ امریکی معیشت دم توڑ رہی ہے۔ آئندہ دس سال دنیا کے لیے اہم ترین ہیں۔ پوری دنیا کی تشکیل نو ہوجائے گی۔ ان حالات میں روس اور چین کے فوجی اتحاد کی ضرورت محسوس ہورہی ہے۔

ان حالات میں ایسے ایسے مفکرین کے ذریعے یہ تاثر دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ نیا تشکیل پانے والا سماج بھی سرمایہ دارانہ معاشرے کا ہی نیا ورجن ہوگا۔ دنیا میں کسی بھی ایسے سماجی ڈھانچے کی کوئی گنجائش نہیں، جو سرمایہ دارانہ خصائص سے مبرا ہو۔ عہدِ حاضر کے تمام افکار و نظریات یا تو ناکام ہوچکے ہیں یا پھر اسی سرمایہ دارانہ ڈھانچے کا حصہ بن چکے ہیں۔ دوسری طرف سماجی ارتقا کی سائنس کا یہ کہنا ہے کہ ارتقا کی ہر اگلی منزل نئے ماڈل کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ اگلی منزل میں گزشتہ عہد کے باقیاتِ صالحات کا وجود تو ہوتا ہے، لیکن اس سے یہ تأثر پیدا کرنا کہ یہ گزشتہ عہد کا ہی نیا جنم ہے، یہ نہ صرف نظریاتی بددیانتی ہے، بلکہ انھیں گمراہ کن خیالات کی ترویج کا نام دیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اگر سرمایہ دارانہ ماڈل میں اتنی سکت ہوتی تو پہلے وہ اپنے حالیہ معاشی بحران کا کوئی تدارک کرتا، جو آج تک نہیں کر پایا۔

www.rahimia.org

## خطبات و بیانات

افادات: حضرت مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ و مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ۹ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ/23 اکتوبر 2015ء بروز جمعۃ المبارک کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں نمازِ جمعہ کے شرکا سے خطاب فرمایا، جس کے چند اہم اقتباسات درجِ ذیل ہیں:

# امن والے مہینے محرم کا احترام

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''جتنے بھی انبیا علیہم السلام، صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، اولیاء اللہؒ، علمائے ربانیینؒ انسانیت کے امن کے لیے کوشاں رہے، ان کا فکر و عمل ان مہینوں کی شناخت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ یکم محرم کو شہید ہوئے۔ قاتل جب حضرت عمرؓ پر حملہ کر کے نکل بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ لوگوں نے پکڑ کر اس کو بدلے میں سزا دینا چاہی تو عمر فاروقؓ نے کہا کہ: میں ابھی زندہ ہوں، سزا کس بات کی؟ ٹھیک ہے کہ اس نے مجھے دھمکی دی تھی، لیکن دھمکی پر سزا نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے وقت ان کے قاتل پر قتل کا مقدمہ چل رہا ہوتا ہے۔ حال آں کہ سب جانتے تھے کہ قاتل یہی ابولؤلؤ ہے، اس کو سزا ملنی چاہیے، لیکن ایک صالح عدالتی نظام میں جب تک عدالتی پروسیس کے مطابق عدالت حکم جاری نہ کرے، اس وقت تک کسی کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کا بیٹا جوش اور غصے آ کر قاتل کے معاون کو قتل کر دیتا ہے تو اس کے خلاف مقدمہ دائر ہو جاتا ہے۔ کہ ٹھیک ہے حضرت عمر کے قاتل کی سزا قتل ہی ہے، لیکن کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ عدالتی پروسیس کے بغیر کسی انسان کی جان لے لے۔ آپ دیکھئے کہ حضرت عمرؓ نے عدل و انصاف، امن و امان کے لیے جان دے دی اور اپنے بعد ایسا عدالتی نظام چھوڑا کہ اُس کی خلاف ورزی اگر اُن کا بیٹا بھی کرے تو وہ بھی قابل گرفت ہے۔ یہ ہے امن والے مہینے محرم کا احترام۔

اسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ مکہ سے چل کر کوفہ کربلا کے میدان میں پہنچتے ہیں۔ محرم الحرام کا مہینہ ہے۔ امام حسینؓ کربلا میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ اگر تم لڑنا چاہتے ہو تو میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ یہ لڑائی کا مہینہ نہیں ہے۔ محترم مہینوں کے احترام میں آپؓ آخر وقت تک لڑائی سے انکار کرتے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ چاہے حضرت عمرؓ ہوں یا حضرت حسینؓ، دونوں اپنی جان قربان کر دیتے ہیں، لیکن اپنی طرف سے قتل انسانیت کے ارتکاب سے بچتے ہیں۔ امن پر آنچ آنے نہیں دیتے۔ یہی بنیادی قاعدہ اور ضابطہ ہے جو دین اسلام کی تعلیمات سے وابستہ ہے۔

عجیب بات ہے کہ آج حضرت عمرؓ یا حضرت حسینؓ کے نام پر جو نمائندگی کرنے والے دعوے دار گروہ اور جماعتیں ہیں، بدامنی اُن کا اوّلین مطمحِ نظر ہے۔ وہ لبیک یا حسین کہیں یا حضرت عمر فاروقؓ کا دن منانے کے دعوے کریں۔ ان کی فرقہ وارانہ لڑائی کے نتیجے میں بدامنی پیدا ہوتی ہے۔ جان مال عزت آبرو کا تحفظ ختم ہوتا ہے۔ اور ایسی فضا پیدا کر دی گئی کہ جیسے ہی یہ مہینہ آتا ہے تو پوری سوسائٹی خوف اور دہشت گردی کی حالت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ محرم کا مہینہ شروع ہوتے ہی حکومتوں کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں کہ ملک کو اس بدامنی کی حالت سے کیسے نکالا جائے۔ عبادت گاہوں اور سڑکوں اور بازاروں پر سیکیورٹی فورسز تعینات کر دی جاتی ہیں۔ یا للعجب!''

## مہینوں کی ترتیب میں تغیر و تبدل جائز نہیں

''معزز دوستو! دنیا کے ہر نظام میں اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ اوقات و ایام کی ایک ترتیب قائم ہو۔ اسی لیے آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک سالوں اور مہینوں، دنوں اور راتوں کا ایک نظام اس کائنات میں جاری و ساری ہے۔ نبی اکرمؐ جب دنیا میں تشریف لائے تو مکے والوں کی جہاں دیگر خرابیاں تھیں، ان میں ایک بڑی خرابی یہ بھی تھی کہ وہ مہینوں میں ردّ و بدل کر دیتے تھے۔ جس مہینے میں جنگ لڑنی ہوتی اُس کو احترام والے مہینوں سے نکال دیتے۔ جہاں ذاتی، گروہی یا طبقاتی مفاد ہوتا، تو اپنے بچاؤ کے لیے کسی خاص مہینے کو خود ہی محترم بنا دیتے۔ اس لیے سال کبھی چودہ مہینے کا ہو جاتا، کبھی آٹھ مہینے کا ہو جاتا۔ چناں چہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ آج کے دن دنیا گھوم کر دوبارہ اُس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ جب کائنات کی تخلیق ہوئی تھی۔ پھر اُس دن حضورؐ نے اس بات کا اعلان کیا کہ سال کے بارہ مہینے ہیں۔ ان میں تغیر و تبدل کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اللہ نے اُس دن سے مقرر کیے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ سال بارہ مہینے کا ہوگا۔ اور اس سال میں چار مہینے محترم ہوں گے؛ محرم، جو سال کا سب سے پہلا مہینہ ہے۔ رجب جو شعبان سے پہلے آتا ہے اور پھر سال کے آخری دو مہینے ذوالقعدہ اور ذوالحجہ۔ ان چار مہینوں کو اللہ نے اُسی زمانے سے محترم قرار دیا ہے۔

عظمت اور احترام سے متعلق جتنے بھی مہینے ہیں، ان کا بنیادی ہدف یہی ہے کہ نہ صرف ان چار مہینوں میں، بلکہ درمیان کے مہینوں میں بھی انسانی جان مال کا احترام یقینی بنایا جائے گا۔ کرۂ ارض پر انسانیت آئی ہے تکریم انسانیت کے لیے اور اس کی تکریم تبھی ممکن ہے جب انسانیت کا احترام کیا جائے۔ اس کی جان بھی محفوظ ہو اور مال بھی محفوظ ہو۔ گویا کہ سیاسی اور معاشی اصول واضح کر دیا گیا۔ انسانی جان اور مال کی حرمت ان مہینوں میں پیش نظر رہنی چاہیے۔ احترامِ انسانیت کے منافی کوئی کام نہ ہو۔ خاص طور پر ان چار محترم مہینوں میں انسانیت کے منافی کوئی کام نہ ہو۔ اور اگر کہیں ناگزیر ضرورت پیش بھی آ جائے، فتنہ و فساد ختم کرنے کے لیے کوئی لڑائی کرنی پڑے، مقابلہ کرنا پڑے، اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان چار مہینوں کے علاوہ میں یہ کام کیے جائیں۔ قرآن حکیم کی طرف سے احترامِ انسانیت کا یہ ایک عالم گیر دستور اور منشور جاری کر دیا گیا۔''

www.rahimia.org

## فرقہ واریت، بدامنی اور انگریز سامراج

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''مسلمانوں کے غلبے کے زمانے میں جب تک حضرت عمر فاروقؓ کا قائم کردہ نظام رہا ہے، کبھی اس طرح کی بدامنی اور فرقہ واریت کی صورتِ حال پیدا نہیں ہوئی۔ کسی نے اگر حضرت امام حسینؓ کی یاد منانی ہو تو اپنی عبادت گاہ میں منائے۔ کسی نے حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کا دن منانا ہے تو اپنی مسجد میں منائے۔ لیکن راستے روکنا، انسانوں کو نقصان پہنچانا، بدامنی پیدا کرنا، یہ کبھی بھی مسلمانوں کے غلبے کے چودہ سو سال میں نہیں رہا۔ اس برعظیم میں یہ فساد خود انگریز سامراج نے 1906ء میں پیدا کیا۔ لارڈ کرزن جو اس برعظیم کا ایسا سفاک اور انسانیت دشمن وائسرائے رہا ہے، جس نے بنگال کی پہلے تقسیم اور پھر تنسیخ کے ذریعے سے جہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کی۔ Divide & Rule کی سیاست کو فروغ دیا، وہاں شیعہ اور سنیوں کے درمیان محرم کے ان دنوں میں فساد کو فروغ کا ذریعہ بنایا۔

ذرا پچھلے سو سال میں یہاں کے ڈپٹی کمشنروں کا پورا ریکارڈ اٹھا کر دیکھ لیں کہ اس سو سال میں ہر ضلع کے ڈی سی، ہر ڈویژن کے کمشنر اور ہر صوبے کے چیف سیکرٹری نے انگریزوں کے زمانے میں اُن کے وائسرائے اور ان کے گورنر کے حکم پر اس فساد کو باقاعدہ طُول دیا۔ ذرا ان کی خفیہ چٹھیاں اور خفیہ ڈیٹا اٹھا کر دیکھ لیں۔ ان کو جو ہدایات دی گئیں، اس کے مطابق بدامنی کو فروغ دینے کے لیے نام نہاد سنی اور نام نہاد شیعہ کھڑے گئے۔ تاکہ فرقہ واریت کے ذریعے بدامنی کو فروغ دیا جائے۔ سب سے پہلے یہ فساد کلکتہ میں 1906ء میں لارڈ کرزن نے پیدا کیا۔ اور پھر بڑھتے بڑھتے 1938، 1939، 1940ء میں لکھنؤ، دِلّی اور پھر بہ تدریج پورے ہندوستان کے تمام اضلاع میں پھیلایا گیا۔ سرکاری طور پر باقاعدہ تعزیے کے جلوسوں کے لائسنس دیے گئے۔ اسی طرح دفاعِ صحابہؓ اور مدحِ صحابہؓ کے نام پر ان کو جلسے جلوس کرنے کے لائسنس سرکاری طور پر دیے گئے، تاکہ دنگا اور فساد کو فروغ دیا جائے۔ یہ افتراق و انتشار سامراج کا پیدا کردہ ہے۔ اس کا اسلام کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر طُرفہ تماشا یہ کہ اس طرح کی بدامنی کا عمل اُس ریاست میں جہاں شیعہ اکثریت میں ہیں، نہیں ہے۔ پھر ان خطوں میں کیوں ہے، جہاں شیعہ اقلیت ہے؟ یہ لائسنسوں کا نظام کیا ہے کہ جی یہ جلوس یا کسی تقریر کا لائسنس ہے، یہ منسوخ نہیں ہوسکتا۔ اس طرح سے سرکاری طور پر بدامنی پیدا کرنا، دنگا فساد کے لیے مواقع فراہم کرنا اس غلط سسٹم کی خرابی ہے۔ ان میں واعظوں اور ذاکروں سے زیادہ نظام کا قصور ہے۔ اس فساد کی پوری ذمہ داری انگریز سامراج کے قائم کیے ہوئے سسٹم کی ہے، جو خود دنگا فساد مچاتا ہے اور ڈیوائڈ اینڈ رول کی سیاست کے تحت یہاں کی قوموں کو لڑا کر اپنا اُلو سیدھا کرتا ہے۔ جیسے انگریزوں نے اپنے دور میں کیا، ویسے ہی ان کے بعد یہاں کے پاکستانی حکمرانوں نے اسی طرز پر اس دنگا فساد کو فروغ دیا۔''

## مذہب لڑائی کا ذریعہ نہیں ہے

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

''1920ء کے بعد دنیا نے یہ طے کرلیا کہ ریاستیں قومی تناظر میں وجود میں لائی جائیں گی۔ قوم کی جان، مال، رنگ، نسل، مذہب کا تحفظ ہوگا اور جمہوری اور اداراتی بنیادوں پر اس کو وجود میں لایا جائے گا تو ان دونوں دائروں میں ایک جغرافیائی حدود میں بسنے والی انسانیت ایک قوم ہے۔ پاکستانی نیشنل ازم، پاکستانی قومیت کے تناظر میں اس قوم کو امن دینا ہے۔ وہ شیعہ ہو، سنی ہو، دیوبندی ہو، بریلوی ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، مسلمان ہو، ہندو ہو، کوئی بھی ہو، وہ اس قوم کا حصہ ہے۔ اس قوم کو ایسا امن چاہیے، جو ناقابلِ تقسیم ہو۔ نہ کہ کسی فرقے یا گروہ یا کسی نسل کی بنیاد پر ہو۔ اُس امن و امان کے قیام کے لیے آپ کو اقدام کرنا ہے۔

حکومتوں کے ہاں جہاں دیگر اقدامات کیے جاتے ہیں، وہاں ان میں مذہب کو لڑائی جھگڑے، دنگا فساد کے لیے استعمال کرنے پر بھی پابندی ہونی چاہیے۔ یہ انسانی تاریخ کا تقاضا بھی ہے کہ محرم الحرام کا مہینہ احترامِ انسانیت کے لیے شروع دن سے چلا آرہا ہے۔ اللہ نے اسے کائنات کی تخلیق سے ہی امن کا مہینہ بنا دیا، جو بلاتفریق رنگ نسل مذہب تمام مذاہب کی بنیاد ہے۔ ہر مذہب میں یہ محترم مہینے موجود ہیں۔ اس احترام والے مہینے میں احترامِ انسانیت کے لیے فرقوں کی لڑائی جو خاص طور پر انسانوں کی جان مال، عزت آبرو کے عدمِ تحفظ کا سبب بنے، اس پر قانونی پابندی لگانا' مذہب کی تعلیمات کا تقاضا بھی ہے۔ ہر مذہب والا اپنی تعلیمات یا اپنے جو بھی وہ اظہار کرنا چاہتا ہے، اپنی عبادت گاہ کے محدود دائرے کے اندر کرے۔ عوامی مقامات پر آکر توڑ پھوڑ کرنا، بدامنی کو فروغ دینا، راستے روکنا، انسانی حقوق توڑنا، جان مال، عزت آبرو کے تحفظ کو خطرے میں ڈالنا، کسی بھی طرح نہ اسلامی تعلیم کا حصہ ہے، نہ قومی اور تاریخی تقاضا ہے۔ دونوں چیزیں قومی تقاضے اور اسلام کی تعلیمات سے منافی ہیں۔

یہ ایک بنیادی حقیقت ہے کہ مذہب لڑائی کا ذریعہ نہیں ہے۔ آج اس حقیقت کا شعور پیدا کرنا اور اس فکر و نظریے کو آگے بڑھانا دور کا تقاضا ہے۔ نہ حضرت امام حسینؓ نے لڑائی کا سبب پیدا کیا، اور نہ حضرت عمر فاروقؓ نے۔ ان حضراتؓ کے نام پر اس محرم کے مہینے میں یکم اور دس تاریخ کو لڑائی جھگڑا پیدا کرنے کا عمل یہاں کے سامراجی سسٹم کی پیداوار ہے۔ جو سنی مولوی یا شیعہ ذاکر ان دنوں میں مذہب کے عنوان سے دنگا فساد اور فرقہ واریت پھیلانے کی کوشش کرے، وہ نہ حضرت عمرؓ کا نمائندہ ہے، نہ حضرت حسینؓ کا۔ وہ اس سسٹم کا نمائندہ اور آلہ کار اور غلامی کو فروغ دینے کا ذریعہ ہے۔ اس سے برأت کا اعلان کرنا دین کی سچی تعلیمات سے وابستگی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ اسلام کے نظام کو درست تناظر میں سمجھنے اور اس کے مقابلے پر سامراجی نظام کی کارستانیوں اور مکر و فریب کا شعور حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔''

www.rahimia.org

بچوں کا کالم — چوہدری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

# پرہیز بیماری کا بہترین علاج ہے

(چوہدری افضل حقؒ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ اپنی قوم کی تعلیم و تربیت اور اَخلاقی معیار کی بلندی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہی۔ ذیل میں ان کے اُن خطوط کی تلخیص شائع کی جارہی ہے، جو اُنھوں نے 1939ء میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے۔ دراصل ان کے مخاطب قوم کے ہر دور کے نونہال ہیں۔ مدیر)

ماں باپ کی بچوں سے محبت ایک قدرتی چیز ہے۔ ان کی بیماری میں پریشانی ضروری ہے۔ جب تک بچے بوڑھے نہیں ہوتے، انھیں اس بات کا پتہ نہیں چلتا۔ اولاد کی طبیعت ماں باپ سے بے نیاز ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔ ماں باپ کی صورت میں تو اولاد کی پرورش مطلوب ہوتی ہے۔ اس لیے اوّل الذکر کے دل میں قدرت نے اولاد کی محبت ڈال دی اور اولاد کی طبیعت میں بے نیازی پیدا کردی، تاکہ وہ بڑے ہوکر اپنی نئی دنیا بسائیں اور الگ گھر بنائیں۔ خدا کی طرف سے ہم پر فرض یہی ہے کہ ہم تمھاری صحت، تعلیم اور اَخلاق کا پورا پورا خیال رکھیں۔ صحت، تعلیم اور اَخلاق کی بنیاد ہے۔ مجھے سب سے اوّل فکر تمھاری صحت کی ہے۔ آج کل یہاں ملیریا زیادہ ہے۔ اس کا مشہور علاج کونین ہے معروف (بچے) کو ملیریا ہی نہ ہو، کونین بھی استعمال کر کے دیکھ لینا چاہیے۔ یوں تو بچوں والے گھر میں کسی نہ کسی کا بیمار ہونا قدرتی بات ہے۔ بقول شخصے: بالکل خیر خیریت تو وہاں ہوتی ہے، جس گھر میں اولاد نہ ہو۔ تاہم صحت سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ پرہیز بیماری کا بہترین علاج ہے۔ اگر صحت کے معمولی قواعد کو مدِنظر رکھا جائے اور باقاعدہ ورزش کی جائے تو بیماریوں کا سدباب ہوسکتا ہے۔

اس دفعہ جو تم نے خط لکھا تو اس کی عبارت چست اور اس میں ہلکا سا ادبی رنگ جھلکتا تھا۔ دنیا میں وہی تحریر پسند کی جاتی ہے، جس میں لفظوں کی عمدہ ترتیب میں محنت سے کام لیا گیا ہو۔ لفظوں کو موتیوں کی طرح مناسب جگہ پر رکھنے کا نام علم ادب ہے۔ عمدہ خیالات اور الفاظ کی حسن ترتیب کو شاعری کہتے ہیں۔ تم اچھے شاعر اور عمدہ ادیب بن سکتے ہو، بشرطیکہ لفظوں کو عبارت میں مناسب جگہ استعمال کرنے کا ملکہ پیدا کرلو۔ اگرچہ میں شاعری سے ڈرتا ہوں، تاہم شعروں سے لطف حاصل کرلیتا ہوں۔ ڈرتا اس لیے ہوں کہ پیشہ ور شاعر ہرگز مردِ میدان نہیں ہوسکتا۔ وہ خیال کی دنیا میں رہنے کے باعث عمل کی دنیا میں پھسڈی رہتا ہے۔ ان کا قول اور عمل ایک نہیں۔ وہ کہتے بہت کچھ ہیں، کرتے کچھ نہیں۔ جن کے قول اور فعل میں فرق ہوتا ہے، وہی مذہب کے باغی ہوتے ہیں۔ قرآن میں اسی لیے ان کی ایک گونہ مذمت آئی ہے۔ قومیں عمل سے بنتی ہیں۔ شاعری قوتِ عمل کو کم کردیتی ہے۔ دنیا ان کی ہے، جو فنونِ نافع سے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں۔ سائنس اور انجینئرنگ کے شعبوں کو ترقی دیں۔ اس دنیا کو امن کی جگہ بنانے میں مدد دیں۔ پہلے اپنے دل سے خودغرضی دور کریں، پھر دوسروں کی خدمت کرنے کی دُھن میں لگ جائیں۔ ان لوگوں پر کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے، جو شاعری اور عمل دونوں ترازوؤں میں پورے اُتریں۔ اپنے علم و ادب سے کم از کم قوم میں رذیل خصلتوں کی ترقی نہ ہونے دیں۔ اُمرا کی خوشامد جو ہمارے شعرا کی عادت سی ہوگئی تھی، اس سے بچیں۔ اپنے علم اور اپنی عقل کو عوام الناس کی بہتری کے لیے صَرف کریں۔

تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات — مولانا مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

## اپنی مملکت میں عدل و حریت کی اشاعت پر خلیفہ منصور کی مسرت

تاریخ اسلامی کا سماجی اور اجتماعی پہلو سے مطالعہ کیا جائے تو پورا دور ایک روشن باب ہے۔ خلافتِ راشدہ تو نبوت کے معیار و منہاج کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نبوی تربیت کا اثر ہے۔ بعد کے ادوار کا اس اعلیٰ نمونے پر قائم رہنا مشکل ہے، لیکن پھر بھی اسلام کے نظامِ عدل کی روح ہمیشہ قائم رہی۔ چیف جسٹس کا ادارہ نظامِ عدل کے کنٹرول کرنے میں بالکل آزاد اور بااختیار تھا۔ یہاں تک کہ ذاتی زندگی میں بھی جج صاحبان اپنے وقار کا تحفظ کرتے تھے۔ ذیل کے واقعات ملاحظہ ہوں:

قاضی بصرہ (سوار بن عبداللہ) کے پاس ایک مقدمہ تھا، جس میں ایک فرد سائیس اور ایک سوداگر تھا۔ سوداگر کی رسائی بادشاہ تک تھی اور اُسے تعلقات کی وجہ سے اس بات کا زعم تھا کہ فیصلہ اُس کے حق میں ہوگا، لیکن قاضی صاحب نے کہا کہ: فیصلہ شہادت کے مطابق ہوگا، خواہ جس کے بھی حق میں ہو۔ اور میں شہادت کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتا۔

منصور نے آزمانے کے لیے تاکیدی حکم بھیجا کہ فیصلہ سوداگر کے حق میں کریں، لیکن قاضی صاحب نے انکار کیا۔ جب منصور کو انکاری جواب ملا تو خوش ہوکر کہا: الحمدللہ کہ عدل اور حریت میری تمام مملکت میں پھیل گئے ہیں۔

ایک مرتبہ یہی قاضی صاحب خلیفہ منصور کے پاس بیٹھے تھے۔ خلیفہ کو چھینک آئی۔ قاضی سوار نے یرحمک اللہ نہ کہا۔ خلیفہ نے کہا یہ کیا حرکت ہے؟ تم نے یرحمک اللہ نہیں کہا؟

قاضی نے کہا: اس لیے کہ آپ نے الحمدللہ نہیں کہا۔ خلیفہ نے کہا: میں نے دل میں کہا تھا۔ قاضی نے کہا: میں نے بھی دل میں یرحمک اللہ کہہ لیا تھا۔

خلیفہ نے یہ سن کر کہا: آپ واقعی جب میری رعایت بھی نہیں کرتے تو اَور کسی کا لحاظ کیا کرتے ہوں گے۔

یہ دو واقعات دلالت کرتے ہیں کہ:

1۔ خلفائے راشدین کے بعد کے ادوار میں اسلامی آئین کا غلبہ رہا۔

2۔ خلافتِ بنی اُمیہ، خلافتِ بنی عباس اور خلافتِ بنی عثمان میں عدالتی نظام عموماً نہایت آزادی سے فیصلے کرتا اور حکمرانوں کی سفارش یا رضامندی خاطر میں نہ لاتا۔

3۔ بلکہ بادشاہوں کے خلاف بھی قاضی اور چیف جج صاحبان فیصلے کرتے۔

4۔ اس پورے دور میں عام طور پر ایسا نہیں ہوا کہ عدالتیں حکمرانوں کی سیاسی یا ذاتی مفادات کی خاطر قانون کا غلط استعمال کریں اور اجتماعی مفادات میں چپ سادھ لیں۔ جب کہ آج کے نام نہاد جمہوری دور میں بقول چیف جسٹس تمام ادارے پولیس، اینٹی کرپشن، ایف بی آر اور نیب جیسے ادارے اپنے فرائض ادا نہیں کررہے۔ کسی کے خلاف عدالتی کارروائی کی جائے تو ایک بڑی لابی اس کے تحفظ کے لیے آجاتی ہے۔"

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

# حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ

وسیم اعجاز، کراچی

ولی اللّٰہی تحریک نے ہندوستانی قوم کی آزادی کی تحریک میں رہنمائی کا اہم کردار ادا کیا۔ انتہائی نامساعد حالات میں بھی ہراوّل دستہ بنی رہی۔ اسی تحریک کے ایک اہم رکن مولانا مملوک علی نانوتویؒ ہیں۔ آپؒ نانوتہ ضلع سہارن پور میں 1788ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی تشریف لے گئے اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے شاگرد مولانا رشیدالدین خاںؒ کے حلقے میں داخل ہوئے۔ دہلی ہی میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

1825ء میں دہلی کالج میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ دہلی کالج میں آپؒ نے تقریباً 25 سال تک تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ آپؒ کے شاگردوں میں مولانا محمد مظہر نانوتویؒ (لیکچرار اجمیر کالج و بانی مدرسہ مظاہرالعلوم سہارن پور)، قطب العالم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا محمد احسن نانوتویؒ (لیکچرار بنارس و بریلی کالج)، مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ (ڈپٹی انسپکٹر مدارس و والدِ گرامی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ)، شمس العلما محمد حسین آزاد، معروف تاریخ نگار مولوی ذکاء اللہ اور بہت سے جید علمائے کرام شامل ہیں، جنھوں نے اس قوم کی رہنمائی کا کردار ادا کیا اور آزادی کے حصول میں بے انتہا قربانیاں پیش کیں۔ ولی اللّٰہی تحریک کے ایک رکن ہونے کے ناطے عوام سے مولانا مملوک علیؒ کا رابطہ بہت مضبوط تھا۔ ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اہلِ علم ان کی بہت تکریم کیا کرتے تھے۔ 1845ء میں علمی خدمات کی وجہ سے ''خلعت سہ پارچہ'' کے اعزاز سے بھی نوازا گیا۔

تحریکِ بالاکوٹ کے بعد امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے نامساعد حالات اور مستقبل کی پلاننگ کی غرض سے ولی اللّٰہی تحریک کا مرکز مکہ مکرمہ منتقل فرمایا۔ چوں کہ ولی اللّٰہی تحریک کا میدانِ عمل ہندوستان تھا، لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ ہندوستان میں کوئی ایسا انتظام کیا جائے جس کے ذریعے یہاں پر موجود رجالِ کار سے رابطوں میں تعطل نہ آئے اور ساتھ ہی ساتھ فکری اور علمی کوششیں بھی جاری رہیں۔ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ولی اللّٰہی تحریک کے پروگرام کی اشاعت کر کے نئے سرے سے جماعتی نظام پیدا کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے بہترین اسلوب اختیار کرتے ہوئے ایک ولی اللّٰہی بورڈ تشکیل دیا۔ اس بورڈ کی صدارت مولانا مملوک علیؒ فرما رہے تھے، جبکہ ان کے ساتھ ممبران میں شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے خلیفہ مولانا قطب الدینؒ، شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے شاگرد مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ اور مولانا عبدالغنی مجددی دہلویؒ شامل تھے۔

مولانا مملوک علیؒ سرکاری مدرسے (دہلی کالج) کے ملازم تھے۔ ان کی نگرانی میں حزبِ دہلوی کا کام شبہات سے بالاتر رہ کر چل سکتا تھا، ورنہ ریزیڈنٹ کی نظر نہایت تیز تھی، مگر مولانا مملوک علیؒ کو آزاد ساتھی چاہئیں، جو کہ اس بورڈ کے ممبرز کے طور پر امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے ان کے ساتھ شامل کر دیے تھے۔ ولی اللّٰہی تحریک کا بورڈ بنا کر کام کرنے کا انداز انتہائی مربوط تھا۔ یہ جمہوری اندازِ فکر ہر دور میں ولی اللّٰہی تحریک کا خاصہ رہا ہے۔ مشاورت کا انتظام اس لیے بھی ضروری تھا کیوں کہ تحریکِ بالاکوٹ کے بعد پورے ہندوستان میں اور خاص طور پر دہلی میں تحریک میں شامل افراد کو حکومت کی جانب سے پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ان حالات میں ضرورت اس امر کی تھی کہ اہل افراد پر مشتمل بورڈ مشاورتی عمل کے ذریعے مسائل کو حل کرنے اور تربیت یافتہ افراد سے رابطوں کو مضبوط کرنے کا کام کیا جائے۔ مولانا مملوک علیؒ کی صدارت میں قائم اس بورڈ کی کاوشوں سے ہی یہ ممکن ہوا کہ مستقبل میں دہلی کالج کے نمونے پر دیوبند میں درس گاہ قائم کی گئی۔ مولانا مملوک علیؒ کے بعد امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو اپنا نائب بنا کر ہندوستان بھیجا، تاکہ وہ ولی اللّٰہی تحریک کے کام کو آگے بڑھائیں۔ مولانا مملوک علیؒ کا حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ساتھ دوستی کا گہرا تعلق تھا۔ اجتماعیت کے قیام کے لیے کی جانے والی ان حضراتؒ کی کاوشیں ہی تھیں کہ اس تحریک کے نتیجے میں تربیت پانے والے اکابرین نے تحریکِ بالاکوٹ کے بعد 1857ء کی جنگِ آزادی میں بھرپور کردار ادا کیا۔ یعنی حضرت مولانا مملوک علیؒ کی سربراہی میں وہ بنیادی اجتماعیت پیدا ہو چکی تھی، جنھوں نے آنے والے دور میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی امامت میں تحریکِ آزادی کو آگے بڑھایا اور وطنِ عزیز کی آزادی کے لیے جان کی بازی تک لگا دی۔ یہی اجتماعیت مستقبل کے لیے مثالی قرار پائی، جس نے شاملی کے میدان میں بھی سرفروشانہ کردار ادا کیا۔

مولانا مملوک علیؒ نے تحریک کے ساتھ ساتھ تحریر کا کام بھی کیا۔ ایک مدرّس ہونے کی حیثیت سے انھوں نے کتابوں کے تراجم بھی کیے، جن میں جامع ترمذی، تحریر اقلیدس، تاریخ یمینی اور عربی خط شامل ہیں۔ ''تذکرۃ الرشید'' میں منقول ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ان الفاظ میں مولانا مملوک علیؒ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ: ''جب ہم مولانا مملوک علیؒ کی خدمت میں دہلی کالج پہنچے تو اطمینان ہو گیا اور بہت تھوڑے سے عرصے میں کتابیں ختم کر لیں۔ گویا کہ استاد نے گھول کر پلا دیا۔ اس زمانے میں اچھے اچھے اساتذہ دہلی میں موجود تھے، مگر ایسے استاد کہ مطلب پوری طرح ان کے قابو میں ہو اور شاگرد کے ذہن نشین کرا دیں، ایک ہمارے استاد مولانا مملوک علیؒ اور دوسرے ہمارے استاد مفتی صدرالدین آزُردہؒ تھے۔''

مولانا مملوک علیؒ کی ان خدمات کو ولی اللّٰہی تحریک کے ہر دور میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ مولاناؒ اپنی بھرپور علمی اور عملی مثالی زندگی گزارنے کے بعد 11 دن تک یرقان کے مرض میں مبتلا رہے اور 7/اکتوبر 1851ء کو عالمِ جاودانی کی راہ لی۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خاندانی قبرستان میں حضرت شیخ عبدالعزیز شکربارؒ کے پائیں میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان ولی اللّٰہی اکابرین کے نقشِ قدم پر چلنے اور اجتماعیت کے قیام کے لیے جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

(بقیہ: اسلامی جمہوریہ اور اسلامک بینک)

اس میں مضحکہ خیز امر یہ ہے کہ یہی قرض اگر سودی نظام کے تحت چلنے والے بینکوں سے لیا جاتا تو اس سے ستا مل سکتا تھا۔ گویا لفظ ''اسلامی'' کا لاحقہ پاکستانی عوام کو مہنگا پڑ گیا۔ اب تین سال تک ان اسلامی بانڈز پر ادا کیا جانے والا سود کون دے گا؟ کہنے کو تو اسلامی ہونے کے ناطے اس قرض کا تعلق کسی بڑے پراجیکٹ کی آمدن سے ہوتا ہے، جیسے مندرجہ بالا قرض کراچی کے جناح ٹرمینل کی مستقبل کی آمدن پر دیا جا رہا ہے، لیکن ضروری تو نہیں کہ یہ آمدن اگلے تین سال برابر ہی رہے گی تو اُس قرض پر ادائیگی مستقل کیوں ہے۔ یقیناً یہ اسلامی نہیں ہوسکتا اور یہ سراسر سود قرار پائے گا۔ اسلامی بینکوں کے مسلمان کھاتہ دار یہ سمجھیں گے کہ اُن کا مال عین اسلامی اصولوں کے مطابق صکوک بانڈز پر لگا ہے، لیکن انھیں یہ معلوم نہیں کہ اسلامی جمہوریہ اس رقم پر مروّجہ شرح سود سے زائد ادا کرے گی اور وہ ادائیگی اُنھی کھاتہ داروں سے وصول کیے گئے ٹیکس سے کی جائے گی۔ لیکن کاغذی کارروائی میں اُس ادائیگی کو جناح ٹرمینل سے حاصل شدہ آمدن ظاہر کیا جائے گا، جو کمال مہارت کے ساتھ تین سال تک مستقل اور ایک جیسی رہے گی۔ ہمارا اسلامی بینکاری نظام عام لوگوں سے بھی قرض کی واپسی پر جو اضافی رقم وصول کرتا ہے، اُس کی مقدار کا تعین عمومی شرح سود ہی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جو اُس وقت مارکیٹ میں چل رہی ہو اور عموماً اُس کا ریٹ تھوڑا سا زیادہ ہی رکھا جاتا ہے۔ پاکستانی قوم کاغذی کارروائی کی عادی ہے اور اس کارروائی کے نتیجے پر ہم سب سچ اور جھوٹ میں تمیز کرتے ہیں، چاہے حقائق کا اُس سے بالکل کوئی تعلق نہ ہو۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کے دور میں خصوصاً پاکستان میں اسلامی کے لاحقے اور سابقے سے متعارف کروائی جانے والی ہر چیز، پارٹی یا ادارہ جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی چھتری تلے بنا ہو، اُس پر فوراً اعتبار نہ کیا جائے، بلکہ خوب جانچ پرکھ کر لی جائے تو بہتر نتائج نکلیں گے۔


خوش خبری

علوم شریعت، طریقت اور دینی سیاست کی جامع شخصیت

سوانح حیات

شیخ العالم حضرت اقدس

مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ

جو پہلے 1998ء میں طبع ہوئی تھی، نظر ثانی اور اضافے کے ساتھ دوبارہ رحیمیہ مطبوعات لاہور کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

صفحات: 720 رعایتی قیمت: 500


# دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

**سوال** مسافر کب ہوتا ہے؟ وہ کتنے دنوں کے لیے قصر کرے؟

نسیم عباس، لاہور

**جواب** 1۔ کوئی آدمی کم از کم تین دن تین رات یا تین منزلوں کے سفر کے ارادے سے اپنے شہر سے باہر نکل آئے تو مسافر کہلائے گا۔ میدانی علاقوں میں تین منزلیں اڑتالیس میل یا ستتر کلومیٹر کی مسافت بنتی ہے، جب کہ پہاڑی اور بحری سفر کی تین منزلیں سفری مشقت کے اعتبار سے ہوں گی۔ کوئی آدمی سفر کے ارادہ کے بغیر گھومتا پھرے تو شرعاً مسافر نہ ہوگا۔ گاؤں/شہر کی حدود سے مراد متصل رہائشی مکانات اور علاقے ہیں۔ جو چیزیں شہر یا گاؤں کے مفادِ عامہ سے تعلق رکھتی ہیں، مثلاً قبرستان، کھیل کے میدان، ائیر پورٹ، ٹرانسپورٹ کے اڈے جو آبادی سے متصل ہوں تو وہ آبادی میں شمار ہوں گے۔ اگر متصل آبادی سے 200 میٹر یا زیادہ فاصلے پر ہوں تو شہری حدود سے باہر شمار ہوں گے۔

2۔ آدمی جب اپنے شہر یا گاؤں کی مذکورہ حدود سے باہر نکل جائے تو ظہر، عصر اور عشا کے چار رکعتوں والی فرض نماز میں قصر یعنی دو رکعت نماز ادا کرنا ضروری ہے۔

3۔ اس دوران سفر میں جب اکیلا نماز پڑھے یا مسافر امام کی اقتدا میں نماز پڑھے تو نماز قصر کرے گا۔ مقیم امام کی اقتدا میں نماز پڑھنے پر نماز قصر نہیں ہوگی۔

4۔ سفر کے دوران کسی شہر میں پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں قصر کرے گا۔ اگر پندرہ دن یا اُس سے زیادہ ایک جگہ قیام کا ارادہ ہے تو پوری نماز پڑھے گا۔

5۔ دوران سفر وقت کی کمی کی وجہ سے فرض اور واجب نماز ادا کرے، سنتیں اور نوافل ادا نہ کرے، البتہ صبح کی دو سنتیں ادا کرنی چاہئیں۔

6۔ جب کسی جگہ مدت سفر کے دوران قیام ہو رہا ہو اور وقت میں سنتوں، نوافل کی ادائیگی کی گنجائش موجود ہو تو ان کو ادا کرنا بہتر ہے، مگر چار سنتیں پوری ہی پڑھے گا۔ اس میں قصر نہیں ہوگی۔

7۔ دوران سفر اگر ظہر، عصر اور عشا کی نماز قضا ہو جائے، گھر میں جب انھیں ادا کرے تو قصر ہی کرے گا۔ اسی طرح اگر سفر میں حالت اقامت کی فوت شدہ نماز قضا کرنا چاہتا ہے تو وہ پوری چار رکعت ادا کرے۔

8۔ ایک شخص قریب کا راستہ چھوڑ کر ایسا لمبا راستہ اختیار کرتا ہے، جس کی مسافت، سفر کی مسافت بن جاتی ہو تو وہ مسافر کے حکم میں ہو جائے گا، خواہ واپسی میں قریب کا راستہ ہی کیوں نہ اختیار کرے۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔